عبید حارث

ناول نگاری کی آرزو

پچھلے پانچ منٹ سے ہم گلی میں لوگوں کو پکڑ پکڑ کر خود سے بنایا ایک جملہ سنا رہے تھے۔لوگ اس کو سن کر واہ واہ کرتے اگر کسی کو سمجھ نہ آتا تو ہم اس کو زبردستی تین چار بار سناتے اور جب تک وہ تعریف نہ کر دیتا اس کو جانے نہ دیتے۔دل اندر ہی اندر تعریف سن کر پھولے نہ سماتا۔

تھوڑی دیر بعد خیال آیا کہ اگر لوگ ایک جملے پر اتنی واہ واہ کر رہے ہیں تو کیوں نہ مضمون ہی لکھ دوں ، پھر تو لوگ دعوت ہی کر دیں گے۔دل کی یہ آرزو ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ ایک خیال اور آیا، کیوں نہ ہم ناول ہی لکھ دیں ! لوگ قیمتی انعامات اور انٹرویو لینے کے لیے بے تاب ہوں گے۔

یہ خیال آنا تھا ہم دیوانوں کی طرح لوگوں سے ناول نگاری کا پوچھنے لگے۔کسی نے بتایا کہ فلاں جگہ آج ناول نگاری پر سیمینار ہو رہا ہے جس میں ملک کی مشہور ناول نگار محترمہ فرزانہ صاحبہ آئیں گی ۔ ہم گھر واپس آئے گھر والوں کو کہا کہ کسی کام کے سلسلے میں جا رہا ہوں رات تک واپسی ممکن ہوگی پھر بس میں بیٹھ گئے۔

راستے میں سوچا دیکھو اللہ چاہتا ہے کہ پاکستان میں ایک اور ناول نگار منصّہِ شہود پر آئے ۔وہاں جا کر ان کو جملہ سناؤں گا تو وہ مہمان خصوصی کے برابر والی نشست پر بیٹھائیں گے ۔ ایک گھنٹہ سفر میں گزارنے کے بعد وہاں پہنچا تو پتا چلا کہ سیمینار شروع ہو چکا ہے۔کاؤنٹر پر ایک صاحب کہنے لگے کہ پروگرام میں شرکت کرنی ہے تو پانچ سو روپے زرِتعاون دینا ہوگا۔ہم نے اُن کو بھی وہ جملہ سنایا اور کہا کہ بھائی ناول لکھنے کی آرزو جاگی ہے ہمارے دل میں۔ پر ان کو تو ہمارے جملے سے کوئی سروکار نہ تھا۔اُن کی ساری دلچسپی پیسوں سے تھی کہ ہم کسی طرح پیسے دے دیں ۔ہمیں تو ہر صورت سیمینار میں شرکت کرنی تھی مجبوراً پیسے دیے اور دبے لفظوں میں کہا کہ آپ کو مستقبل کے ناول نگار کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں ہے۔

ہال میں داخل ہوا تو وہ مکمل طور پر بھرا ہوا تھا۔دیر سے آنے کے باعث بہت سے لوگ میری طرف دیکھنے لگے۔خیال آیا کہ جب ناول لکھوں گا تو لوگ مجھے ایسے ہی دیکھیں گے۔ایک صاحب نے میرے ہاتھ سے پرچی لی اور کہا کہ وہاں آخری نشست پر بیٹھ جائیں ۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ انسان کی شروع میں کوئی عزت نہیں کرتا۔خیر ہم وہاں جا کر بیٹھ گئے ۔کوئی ڈھائی سو لوگ ناول نگار بننے کی خواہش لے کر آئے ہوئے تھے۔دل میں ایک خوش فہمی تھی کہ میرے جیسا جملہ اس ہال میں کسی کے پاس نہیں ہوگا۔

کوئی علی نامی صاحب اسٹیج کی ذمہ داری نبھا رہے تھے اور ناول نگاری کی چند چیدہ چیدہ باتیں بتا رہے تھے۔ان کی صرف آواز ہی سنائی دے رہی تھی۔اتنی دور بٹھایا تھا کہ اسٹیج تو نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔خیر ہمیں کسی کی شکل سے کیا لینا دینا۔

علی صاحب نے مہمان خصوصی کا تعارف یوں کرایا۔

''محترمہ فرزانہ صاحبہ کا شمار پاکستان کے مشہور ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔آپ نے زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ناول لکھے اور معاشرے کے مسائل کو بڑی خوبصورتی سے اُجاگر کیا''۔اس کے ساتھ ہی انہوں نے ان کے چند مشہور ناولوں کے نام بتائے۔پھر فرمانے لگے،''اب میں آپ کے اور مہمان کے درمیان زیادہ دیر حائل نہیں ہونا چاہتا۔محترمہ کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ آئیں اور مستقبل کے ناول نگاروں کی رہنمائی فرمائیں''۔

مجھے یوں لگا کہ یہ جملہ صرف میرے لیے کہا گیا ہو۔ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

پہلی بار دل میں خواہش جاگی کہ اسٹیج کو دیکھ لیں۔ سیٹ سے اٹھا اور دیکھنے کی کوشش کی۔ غالباً علی صاحب محترمہ سے باتیں کر رہے تھے۔ محترمہ کی شکل سے زیادہ علی صاحب کا سر نظر آ رہا تھا۔ ہم مایوس ہو کر دوبارہ بیٹھ گئے۔

محترمہ نے تقریر شروع کی اور ناول نگاری کی اہمیت بتانے لگیں۔ اتنے میں ایک شخص پانی کی بوتلیں اور بسکٹ لے کر آیا اور سب کو دینے لگا۔ میں نے شکر ادا کیا کہ پانچ سو روپے میں سے پینتیس روپے تو وصول ہو گئے۔ لوگ ایسے تقریر سن رہے تھے کہ کل ہی ناول نگار بن جائیں گے۔ ہمیں تو صرف ابتدائی رہنمائی مطلوب تھی کہ ناول شروع کیسے کریں۔ باقی تو جملے ذہن میں بے شمار آ رہے تھے۔

فرزانہ صاحبہ فرما رہی تھیں کہ ناول میں منظر نگاری کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ منظر نگاری پڑھنے والے کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور ناول پڑھنے میں مزہ آتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ناول کے کچھ حصے پڑھ کر سنائے۔ پھر فرمانے لگیں کہ آپ کو ایک سادہ کاغذ دیا جائے گا اور دیوار پر کچھ تصویریں لگائی جائیں گی آپ کو اُس کی منظر کشی کرنی ہے۔ اس کے بعد سب کو ایک ایک سادہ کاغذ دیا گیا اور ساتھ پین بھی۔ اب وصول پیسوں میں دس روپے کا اضافہ ہو گیا تھا۔ سب لکھنا شروع ہو گئے۔

دو منٹ تک تو میں یہ ہی سوچتا رہا کہ کہاں لگی ہیں تصویریں! پھر کسی نے اسٹیج کی طرف اشارہ کر کے کہا وہ دیکھو۔ اٹھ کر دیکھا تو سامنے اتنی چھوٹی چھوٹی تصویریں لگی تھیں کہ کچھ سجھائی نہ دیا۔ البتہ آگے بیٹھے لوگوں کی پشت نظر آ رہی تھی۔ اگلی نشست پر بیٹھی خاتون تیسرا ورق مانگ رہی تھیں۔ میں نے اُٹھ کر دیکھا تو دونوں صفحات پورے بھرے ہوئے تھے۔ خدا جانے ان کو ان تصویروں میں کون سے لیلیٰ مجنوں نظر آ رہے تھے جو اتنی بڑی داستان لکھ رہی تھیں۔

ہم نے اپنے کاغذ پر نظر دوڑائی تو صرف تین سطور لکھ پائے تھے اور وہ کچھ اس طرح تھیں۔

''سورج نکلا ہوا تھا۔ ایک لڑکا جو کلین شیو تھا ایک طرف کھڑا تھا، ساتھ ہی ایک لڑکی بھی تھی''۔

سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اور کیا لکھیں لیکن لوگ صفحے تو ایسے لے رہے تھے جیسے سرکار مفت میں راشن بانٹ رہی ہو۔ وقت مقررہ ختم ہوا اور سب لوگ تحاریر واپس کرنے لگے۔ ہال میں صرف ہم ہی تھے جو مزید صفحات لینے میں کنجوس ثابت ہوئے۔ جبکہ باقی کسی نے دو، کسی نے تین اور کسی نے چار صفحات استعمال کیے۔

علی صاحب پھر مخاطب ہوئے اور کچھ لوگوں کی تحاریر سنانے لگے۔ کہنے لگے کسی نے تو صرف ایک شیٹ پر لکھا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ صفحہ میرا ہی ہے۔ ہال میں اے سی چل رہا تھا مگر جوں جوں وہ تحاریر سناتے جا رہے تھے مجھے اتنا ہی پسینہ آ رہا تھا۔ لوگ کسی کی تحریر پر داد دیتے، تو کسی کی تحریر پر خوب ہنستے۔ ایک میں ہی تھا جس کو نہ تو کچھ سمجھ آ رہا تھا اور نہ ہی کسی کی تحریر پر ہنسی۔ کچھ دیر بعد اتنا پسینہ آیا کہ اگر کوئی میری طرف دیکھتا تو کہتا کہ جناب والا آپ نے بوتل کا سارا پانی سر پر ڈالا ہے کیا؟ یہ نوبت آنے سے پہلے ہی میں کھڑا ہوا اور مددگار (Volunteer) سے پوچھا کہ واش روم کہاں ہے۔ انہوں نے ہال سے باہر کی طرف اشارہ کیا۔ میں فوراً ہال سے باہر آ گیا۔ واش روم تھوڑی جانا تھا، ہال سے باہر جانے کا بہانا ڈھونڈ رہا تھا۔

کاؤنٹر والا شخص بولا، کیا پروگرام ختم ہو گیا؟ میں نے کہا، ہاں اور آپ کو اندر بلا رہے ہیں۔ یہ کہا اور میں وہاں سے نکلا۔

واپسی کے لیے بس میں بیٹھا اور سوچنے لگا کہ ناول لکھنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ کچھ دیر بعد سرگوشی میں کہا۔ ''دل کے ارمان پسینے میں بہہ گئے''۔ ساتھ بیٹھا شخص کہنے لگا، جناب ''دل کے ارمان آنسوؤں میں بہہ گئے ہوتا ہے''۔ اب ان کو کیا بتاتے کہ اے سی والے ہال میں ہمارا پسینہ تو بہا تھا!

☆.....☆.....☆